اردو رپورتاژ نگاری میں خواتین کا حصہ

ڈاکٹر فرحینہ شیرین نصیر الدین
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو
ایل۔ پی۔ پاوڑے مہیلہ کالج ورود،
ضلع امراوتی، مہاراشٹر

تعارف: اردو میں مغربی اثرات سے جو اصناف ادب میں داخل ہوئیں ان میں رپورتاژ سب سے جدید صنف ہے۔ رپورتاژ REPORTAGE فرانسیسی الاصل لفظ ہے یہ REPORT اور AGE دو الفاظ سے مرتب ہے رپورٹ کے معنی کسی بات کی معلومات اور لاحقہ آژ کا مفہوم ہے ''کرنا'' ''گویا رپورتاژ'' کسی بات کی معلومات دینا ہے۔ اصطلاحی لحاظ سے فرانسیسی انگریزی وغیرہ زبانوں میں اس کلمہ کے دو معنی عام ہیں۔

اول: اخباری رپورٹ

دوّم: کسی اخباری رپورٹ میں گپ شپ یا رپورٹ میں صحرا کی ذات کا خوشگوار امتزاج ڈاکٹر سید اعجاز حسین کے مطابق رپورتاژ میں ادبیت کے ساتھ ساتھ واقعات پر بھی نظر رکھی جاتی ہے یعنی تحریر میں ادبیت، صحافت، افسانویت کا امتزاج ہوتا ہے۔ کسی واقعہ یا حادثہ کے بیان میں ان پہلوؤں کو بھی دکھایا جاتا ہے جنھیں مورخ نظر انداز کر دیتا ہے یا صحافی انہیں معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ رپورتاژ لکھنا مشکل کام ہے اس کے محرر کو مورخ کا قلم ادیب کا دماغ اور مصور کی نظر ضروری ہے۔ رپورتاژ کی بنیاد واقعات پر ہوتی ہے۔ واقعات و حالات کو جب تک خود نہ دیکھا گیا ہو رپورتاژ لکھا نہیں جا سکتا۔ اس کے لکھنے والے کو موقع پر موجود ہونا اور ذاتی مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔ رپورتاژ نگاری کا رواج اردو میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ۱۹۳۶ سے ہوا۔ اردو رپورتاژ کا آزادی سے پہلے کا صفر ۱۹۳۶ تا ۱۹۴۷ کے زمانے پر محیط ہے۔

۱۴۔۱۵ اگست ۱۹۴۷ کو برصغیر آزاد ہو کر بھارت، پاکستان دو آزاد ممالکوں میں منقسم ہو گیا۔ لیکن تقسیم کے نتیجہ میں بر صغیر خاص طور پر شمالی ہندوستان، پاکستان میں ہولناک فرقہ وارانہ فسادات رونو مہ ہوئے۔ ہندو مسلمان سکھوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا، مارا پیٹا گھر بار بستیاں لوٹی، جلائی اور بے شمار لوگوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ ان فسادات، ظلم و بر بریت، تبادلہ آبادی اور مصائب انسانی سے متعلق جو ادب لکھا گیا اس میں نظموں اور نثر کی مختلف اصناف کی تخلیقات کے ساتھ رپورتاژ بھی شامل ہے۔ جن کی عصری، تاریخی، انسانی، سماجی، معاشرتی اور ادبی حیثیت مسلم ہے۔

ایسے رپورتاژوں میں ابراہیم جلیس کا ''دو ملک ایک کہانی'' تاجور سامری کا ''جب بندھن ٹوٹے'' جمنا داس اختر کا ''اور خدا دیکھتا رہا'' خدیجہ مستور کا ''پو پھٹے'' فکر تونسوی کا 'چھٹا دریا' قدرت اللہ شہاب کا ''اے بنی اسرائیل'' شاہد احمد دہلوی کا ''دلی کی بپتا'' وغیرہ شامل ہے۔اس کے بعد حالات پرسکون ہونے لگے تو دیگر موضوعات اور حالات پر بھی رپورتاژ لکھے جانے لگے۔ عصمت کا بمبئی سے بھوپال، قرۃ العین حیدر کے ستمبر کا چاند گل گشت، کوہ دماوند، دکن سانہیں، رام لال کا احساس یاترا، عادل رشید کا خزاں کے پھول، محمد طفیل کا یاترا، ممتاز مفتی کا لبیک، منظور الہی کا قوس قزح، صفیہ اختر کا ایک ہنگامہ، پرکاش پنڈت کا کہت کبیرا، انور عظیم کا پھول کی پتی، ناچ گیت، خواجہ احمد عباس کا سرخ زمین، زہرہ جمال کا ۵ دسمبر کی رات، سید ضمیر حسن کا دلی کی بپتا، یعقوب راہی کا رپورتاژ، اور عبدالرحیم نشتر کا بھوپال ایک خواب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خواتین کے چند اردو رپورتاژ:

۱۔رضیہ سجاد ظہیر	امن کا کارواں
۲۔خدیجہ مستور	پو پھٹے
۳۔عصمت چغتائی	بمبئی سے بھوپال تک
۴۔قرۃ العین حیدر	ستمبر کا چاند
۵۔قرۃ العین حیدر	گل گشت
۶۔قرۃ العین حیدر	کوہ دماوند
۷۔قرۃ العین حیدر	دکن سانہیں ٹھار
۸۔قرۃ العین حید	قید خانے میں تلاطم ہے کہ
۹۔سلمیٰ صدیقی	نقاب اور چہرے
۱۰۔زہرہ جمال	۵ دسمبر کی رات
۱۱۔صفیہ اختر	ایک ہنگامہ
۱۲۔آمنہ ابوالحسن	دو دن
۱۳۔سلمیٰ عنایت اللہ	ڈوب ڈوب کر ابھری ناؤ
۱۴۔الطاف فاطمہ	اس کا آشوب
۱۵۔ فرصت انور	مرے قہقہوں میں پنہاں
۱۶۔ثروت خان	ہر گام چمن
۱۷۔ریاست خانم	کولہاپور میوزک کانفرنس

اردو زبان میں خواتین کے اہم رپورتاژ

رضیہ سجاد ظہیر: امن کا کارواں ۱۹۵۰

عالمی امن کانفرنس کلکتہ ۱۹۵۲ سے مختلف اردو میں دو اہم رپورتاژ لکھے گئے تھے۔ ایک رضیہ سجاد ظہیر کا امن کا کارواں اور دوسرا پرکاش پنڈت کا کہت کبیر سو بھئی سادھو، یہ دونوں اردو رپورتاژ نگاری میں کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ رضیہ سجاد ظہیر ترقی پسند ادیبہ تھیں اور اس تحریک کے سلسلے میں وہ کافی فعال بھی رہی۔ انہوں نے کلکتہ کی عالمی امن کانفرنس میں شرکت کی تھی اور اس سے متعلق ایک رپورتاژ امن کا کارواں لکھا تھا۔ اس کانفرنس کا مقصد مغربی طاقتوں کے درمیان جاری سرد جنگ سے پیدا شدہ خطرناک حالات اور تیسری عالمگیر جنگ کے خطرات سے دنیا کو آگاہ کرنا تھا۔ امن و آشتی و انسانیت کی تبلیغ کرنا تھا۔ کانفرنس میں سبھی رہنماؤں نے اپنی تقاریر میں امن و آشتی کا پیغام دیا۔ سامراجی طاقتوں کے خلاف غم و غصّہ کا اظہار کیا۔ ان کی روائیداد رضیہ سجاد ظہیر نے بڑے مؤثر انداز میں اور دلکش پیرائے میں رواں تبصرے کیساتھ کیا۔

امن کا کاروں کے فکر و فن، زبان و بیان، معلوماتی عناصر اور فن، رپورتاژ نگاری کے معیار پر پورا اترنے کی سبھی نقادوں نے تعریف کی ہے۔

خدیجہ مستور: پوچھٹے (شاہراہ، افسانہ نمبر۔ ۱۹۵۳)

مشہور افسانہ نویس اور ناول نگار خدیجہ مستور لکھنؤ کی رہنے والی تھی۔ انھوں نے آزادی کے اور ہجرت کے حالات و کوائف پر ایک رپورتاژ 'پوچھٹے' لکھا جسے کافی پسند کیا گیا۔ آزادی کے حالات و کوائف اور مہاجرت کے مسائل پر لکھا یہ رپورتاژ اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک نہایت حساس وفکشن نگار خاتون کے ماحول، ان کے حالات و کوائف اور حالات زندگی کی نہایت مؤثر تصویر کشی ہے۔ انھوں نے بڑے ڈرامائی انداز میں اس میں حقیقت و افسانہ و مکالمہ و تبصرہ سبھی عناصر سے کام لیا ہے۔ آزادی کے بعد جگہ جگہ فسادات رونما ہونے لگے۔ خدیجہ مستور کی والدہ نے کانپور کے فساد کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ جب کانپور میں فساد ہوگا تو لکھنؤ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ اب پاکستان بھاگنا پڑے گا۔ ان کا محلّہ امن پسند لوگوں کا محلّہ تھا لیکن فسادیوں کا کیا بھروسہ اس وقت ان کے گھر کے لوگوں، ان کی والدہ، بہنوں، بھائیوں کیا ذہنی کیفیت تھی اور وہ کس طرح اضطراب کا شکار تھے۔ خدیجہ مستور نے مکالمات اور بیان سے اس کی عکاسی نہایت مؤثر انداز میں کی ہے۔ اس رپورتاژ کی بلحاظ آپ بیتیانہ ادب بے حد قدر و قیمت ہے۔

عصمت چغتائی: بمبئی سے بھوپال تک

عصمت چغتائی کا رپورتاژ 'بمبئی سے بھوپال تک' ایک مشہور اور قابل قدر رپورتاژ ہے۔ عصمت ترقی پسند ادبی تحریک کی ایک فعال رُکن تھی۔ انہوں نے بھوپال میں ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں شرکت کے لیے بھوپال تک کا سفر کیا اور اس سفر کا

رپورتاژ تحریر کیا۔

عصمت نے اس رپورتاژ میں اپنے افسانے، ڈرامے، ناول، خاکے وغیرہ کی طرح رپورتاژ نگاری کا بھی حق ادا کردیا۔ اس سے ان کے حالات کوائف، خیالات، رُجحانات کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ رپورتاژ عصمت کے ترقی پسند نظریات کی تبلیغ وتشریح کا کام پوری طرح انجام دیتی ہے۔

قرۃ العین حیدر رپورتاژ

قرۃ العین حیدر اردو کی بڑی فعال ادیبہ گزری ہے۔ ناول نگاری، افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ سفر نامہ نگاری اور رپورتاژ نگاری بھی ان کے فکروفن وادبی سرگرمیوں کے میدان رہے ہیں۔ انہوں نے متعدد سفر نامے اور رپورتاژ لکھے ہیں۔ ان کے اہم رپورتاژوں میں ستمبر کے چاند، گل گشت، کوہ دماوند، دکن سا نہیں تھا سنسار میں اہم مانے گئے ہیں۔

ستمبر کا چاند:

قرۃ العین حیدر کا یہ رپورتاژ مصنفہ کے جاپان کے سفر اور وہاں ادیبوں کی بین الاقوامی کانفرنس کے انیسویں سالانہ اجلاس کی روداد ہے۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک طویل رپورتاژ ہے۔ ستمبر کے چاند میں واقعات ایک عالمی ادبی، سماجی تقریب سے ماخوذ ہے۔ اس کے واقعات میں خارجیت اور جابجا آورد کا زور پایا جاتا ہے۔ تحریری زور اور ادبی دبدبہ تو واضح ہے قدرتی مناظر کی عکاسی اور سماجی احول کی آئینہ سازی کی بھی کمی نہیں۔ لیکن جذبہ واحساس کی لطافتیں برائے نام نظر آتی ہیں۔ واقعات میں صداقت ضرور ہے مگر بے کیف و بے کشش اس میں واقعات کا تنوع ہے۔ اس کی مکانی حدیں وسیع وعریض ہیں۔ مکری تہہ داریاں اور اسلوبی ندرت وشادابی بھی موجود ہے۔ قرۃ العین حیدر کی بیانیہ قدرت اور تخلیقی بصیرت نے اس رپورتاژ کی فنی قدرو قیمت وکشش میں اضافہ کردیا ہے۔

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا:

قرۃ العین حیدر کا یہ رپورتاژ ان کے مجموعے کوہ دماوند میں شامل ہے یہ ان کے انڈمان میں پورٹ بیلیئر کے سفر اور قیام کے حالات کی روداد ہے یہ رپورتاژ دلچسپ حالات وواقعات پر مبنی ہے۔

گل گشت:

قرۃ العین حیدر کا رپورتاژ گل گشت ان کے طویل اور اہم رپورتاژوں میں گنا جاتا ہے اس میں پیش کردہ حالات کوائف، مصنفہ کا مشاہدہ، غوروفکر اور بین السطور تاثرات اس کی زبان واسلوب معلومات سبھی میں ندرت ہے جس کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اسے مصنفہ نے دوحصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصّے مین جون ۱۹۷۴ء میں روس کی سیاحت کا احوال ۱۲ مختلف عنوانات کے تحت ہے اور دوسرے حصّے میں چار عنوانات کے تحت جارجیا وغیرہ کے سیاحت کے حالات ہیں۔

پورا رپورتاژ تاریخی، ادبی، ثقافتی، تہذیبی، معاشرتی حالات وکوائف اور اصناف وغیرہ کے بیانات سے پُر ہے۔

خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے:

''خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے'' قرۃ العین حیدر کا سفرِ کشمیر کا رپورتاژ ہے اس کا عنوان اقبال کے اس شعر کا مصرعہ ہے۔

ہمالیہ کے چشمے ابلتے ہیں کب سے　　　خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

اس میں قرۃ العین حیدر نے کشمیر کے تاریخی، تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی، علمی و ادبی پس منظر کے ساتھ مختلف مقامات کی سیاحت کا تبصرہ رواں انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کشمیر کی تاریخ مختلف اقوام کے حملوں، جنگوں ان کے ظلم وستم کے افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ علاقہ ہر وقت استحصال کا شکار رہا ہے۔ وہاں کے بیشتر حکمرانوں کے ظلم وستم واستحصال کی کہانیاں تاریخ کے صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کشمیر روئے زمین پر جنت مانا جاتا ہے اسے فردوس بریں روئے زمین کہا جاتا ہے۔ رپورتاژ کے ابتداء میں مصنفہ نے کشمیر کی طبعی تاریخ بیان کی ہے۔ کشمیر کے وجود سے متعلق ہندو مذہب کی روایات بیان کی ہیں۔ وہاں موجود پیغمبروں کی قبروں کا ذکر کیا ہے۔ کشمیری مزدوروں کی زبوں حالی، افلاس کا ذکر کیا ہے۔ مغل بادشاہوں کی کشمیر سے الفت اور سیاحت اور ان کی بنائی ہوئی عمارتوں، باغات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ مقامات کی سیر کے ساتھ ساتھ وہ تاریخی حالات بھی بیان کرتی جاتی ہے۔ مصنفہ نے کشمیر میں عام لڑکیوں کی تعلیم کا ذکر بھی کیا ہے۔

دکن سا نہیں ٹھار سنسار میں:

اس رپورتاژ کا عنوان مصنفہ نے مشہور دکنی شاعر و مصنف ملا وجہی کے مصرع سے ماخوذ کیا ہے۔ پورا شعر یہ ہے۔

دکن سا نہیں ٹھار سنسار میں　　　بنج فاصلہ کا ہے اس تھار میں

یہ سفر نامہ ادب، صحافت وطنز کا مرکب ہے۔ مصنفہ جنوبی ہند کس سلسلہ میں جاتی ہیں رپورتاژ میں ان کا مقصد سفر واضح نہیں اور نہ ہی جانے کے حالات کا علم رپورتاژ واپسی کے سفر کا رپورتاژ ہے۔ وہ ٹرین سے کوچین، کیرالہ سے روانہ ہوتی ہے۔ اور تامل ناڈو، کرناٹک سے گزر کر حیدرآباد پہنچتی ہے وہاں کی سیر کرتی ہیں۔ اور حالات وکوائف کو رپورتاژ میں بیان کرتی ہیں۔ ہر جگہ رواں بیانیہ انداز ہے۔ یہ رپورتاژ ماضی وحال کی بہت سی باتوں کا دلکش وحسین مرقع سا لگتا ہے۔

لندن لیٹر:

قرۃ العین حیدر کے چھوٹے چھوٹے رپورتاژ لندن لیٹر کے عنوان سے چھپے ہیں۔ لندن لیٹر لکھنے سے قبل انھوں نے لندن لیٹر جیسی تحریروں کی مثالوں کا ذکر کر کے اپنا مقصد واضح کیا ہے اور رپورتاژ نگاری کے فن سے بھی بحث کی ہے یہ ان کے لندن میں آنکھوں دیکھے حالات وکوائف کی تصویر کشی کی ہے۔ اس میں انھوں نے ملمع کی ہوئی زندگی پر گپ شپ کے انداز میں چھٹیں اُڑائی ہیں۔

قید خانے میں طلاطم ہے کہ ہند آتی ہے:

کتاب کوہ دماوند میں قرۃ العین کے رپورتاژوں کے ساتھ یہ تحریر بھی شامل ہے۔ اسے بھی رپورتاژ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ

کوئی مسلسل تحریر نہیں۔ ایک بات شروع ہوتی ہے دوسرے کا ذکر آ جاتا ہے۔ بیانات میں کوئی تسلسل نہیں ہے ربط نہیں ہے۔ بس ایک بات بیان ہوتی ہے۔ درمیان میں کوئی دوسری بات آ جاتی ہے۔ اور پھر مسلسلہ کسی اور جگہ چلا جاتا ہے۔

سلمٰی صدیقی: نقاب اور چہرے

سلمٰی صدیقی رشید احمد صدیقی کی بیٹی ہے۔ علی گڑھ میں پیدا ہوئیں، وہیں پلی بڑھیں، وہیں تعلیم حاصل کی کرشن چندر سے شادی کے بعد وہ بمبئی آ کر بس گئی۔ اس زمانے میں بمبئی کئی ادبی شخصوں، شاعروں، افسانہ نویسیوں، ناول نگاروں، فلمی اداکاروں کی دنیا سے وابستہ لوگوں اور صحافیوں وغیرہ کا مسکن تھا۔ یہ لوگ آپس میں ملتے رہتے اور مختلف ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر اس محفل کا رپورتاژ سلمٰی صدیقی اور کرشن چندر کے گھر ایک ادبی محفل منعقد ہوئی تھی جس میں کئی ادیب و شاعرا کھٹے ہوئے اس محفل کا رپورتاژ سلمٰی صدیقی نے نقاب اور چہرے کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس میں سلمٰی صدیقی نے ادیبوں، شاعروں کا اپنا ادبی نقاب اُتارنے اور بے تکلف ماحول میں ان کی حرکات وسکنات اور ان کی عادتوں کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ادباء، شعراء کا نہ صرف ظاہری حلیہ، عادات، حرکات وسکنات، گفتگو کو بیان کیا بلکہ ان کے باطن میں جھانکنے کی بھی کوشش کی ہے۔ آخر میں وہ لکھتی ہیں کہ کوئی ادبی تخلیق کسی ادیب کی روزمرہ زندگی نہیں بنا سکتی۔ ادیب کی زندگی کا جو سب سے اہم پہلو ہے وہ اسے سو پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے کسی ادیب کے باطن کو جاننا ہے تو اسے نجی محفلوں میں دیکھنا سننا چاہیے۔ یہ چھوٹا سا رپورتاژ کئی خصوصیات کے لحاظ سے امتیازی شان رکھتا ہے۔

زہرہ جمال: ۵ر دسمبر کی رات

زہرہ جمال بمبئی کی رہنے والی ادیبہ ہے۔ وہ ترقی پسند ادبی تحریک سے وابستہ رہی ہے۔ اور ترقی پسند تحریک کی سرگرمیوں میں عملی حصّہ لیتی رہیں ہیں۔ انھوں نے اسرار الحق مجاز کی موت پر ایک رپورتاژ ۵ر دسمبر کی رات کے عنوان سے لکھا تھا۔ جسے اپنی نوعت وخصوصیات کے لحاظ سے قدر وقیمت و اہمیت کا حامل مانا جاتا ہے۔ رپورتاژ کو عام طور پر سفر نامہ کا مترادف سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف حالات سفر کی روداد ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی حالت، حادثہ، تحریک وغیرہ پر بھی لکھا جا سکتا ہے اس کی شرط یہی ہیں کہ مصنف خود اس میں شریک ہو کر اپنے تاثرات و دیکھی بھالی چیزوں، وہاں کے حالات وکوائف کا بیان رواں بیانیہ میں ایسے پیش کرے کہ قاری خود کو بھی اس کا شریک سمجھے۔ اس لحاظ سے یہ رپورتاژ کسی سفر کی روداد نہ ہو کر مجاز کی موت پر حالات وکوائف و تاثرات کا رواں بیانیہ ہے اس رپورتاژ کا حرف حرف، درد وکرب میں ڈوبا ہوا ہے کہ قاری کی بھی آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں۔ زہرہ جمال نے مجاز کی موت کا المیہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ اس کیفیت میں شریک رہیں۔ انھوں نے یہ رپورتاژ اس سانحہ کے پورے ایک سال بعد لکھا۔ یہ رپورتاژ تاثراتی بیانیہ ہونے کی وجہ سے ایسے نازک المیہ جذبات کو اُبھارتا ہے جس کی مثال ادب میں بمشکل ملتی ہے۔ جذبے کی فراوانی اور وحدت تاثر رپورتاژ کو ادب پارہ بنا دیتی ہیں۔

صفیہ اختر: ایک ہنگامہ

اردو ادب کی مشہور شخصیت صفیہ اختر مشہور شاعر جاںنثار اختر کی اہلیہ اور اسرار الحق مجاز کی بہن تھیں۔ ایک ہنگامہ بھوپال میں منعقدہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی جنوری ۱۹۵۲ کی کانفرنس کا رپورتاژ ہے۔ اس کانفرنس نے اردو کو دو اہم رپورتاژ دیے ہیں۔ عصمت کا بمبئی سے بھوپال اور صفیہ اختر کا ایک ہنگامہ، اس کانفرنس کے انعقاد کی ذمہ داری جاں نثار اختر اور صفیہ اختر کو سونپی گئی تھی۔ صفیہ میزبان اور منتظم ہونے کی حیثیت سے ازابتداء تا انتہا کانفرنس کے ہر پہلو سے منسلک رہی اور ہر بات کو دیکھا اور اس کی تفصیل بیان کی۔ رپورتاژ میں ادبی عناصر کی کثرت ہے جا بجا مصرعوں اور اشعار کا استعمال کر کے تحریر میں زور پیدا کیا گیا ہے یہ ایک معلوماتی رپورتاژ بھی ہے۔

آمنہ ابوالحسن: دو دن

آمنہ ابوالحسن کا یہ رپورتاژ دو دن ان کی اورنگ آباد اور اجنتا ایلورا کے غاروں کی سیاحت کی روداد ہے۔ مصنفہ کی تحریر ان کے جذباتی ہونے کی دلیل ہے انھیں تاریخ سے عقیدت ہے۔ وہ تاریخی عمارتوں، کھنڈروں، غاروں میں پہنچ کر وفورِ جذبات سے بے قابو ہو جاتی ہیں۔ جذباتیت کے پیچھے حقائق اور مناظر کہیں گم سے ہو جاتے ہیں۔ اسے یک معلوماتی مضمون کی حیثیت زیادہ حاصل ہے رپورتاژ کی کم۔

سلمیٰ عنایت اللہ: ڈوب ڈوب کرا بھری ناؤ

یہ پاکستان کے ایک ادیب عنایت اللہ کی بیوی تھیں۔ سلمیٰ عنایت اللہ نے اپنے شوہر کے جیل جانے کے بعد پیش آنے والے واقعات اور اپنی روداد، اپنے رپورتاژ ڈوب ڈوب کرا بھری ناؤ میں پیش کیے ہے سماج ایک بے بس اور مجبور عورت کو شاید باعصمت و باکردار دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔

سلمیٰ عنایت اللہ کا یہ رپورتاژ لکھنے کا اصل مقصد ہی دراصل یہ ہے کہ وہ سماج کے اس رستے ہوئے ناسور کو لوگوں کے سامنے لانا چاہتی تھیں۔ جہاں کے بزرگوں کے اعصاب پر خوف خدا کے بجائے عورت سوار رہے اور جنھوں نے معاشرے کو عورت کے لیے جہنم بنا دیا ہوا ہے۔ انھوں نے ایسے مردوں کو معاشرے پر بدنما داغ کہا ہے۔ ساتھ ہی عورتوں کو اس سماج میں لڑنے اور جیتنے کی طاقت اور حوصلہ پیدا کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ ان کا یہ رپورتاژ عورت کو ثابت قدمی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان کا اندازِ بیان گو ادیبانہ نہ ہو لیکن متاثر کن ہے انھوں نے رپورتاژ کو فنی نقطۂ نظر سے پیش کرنے کی بجائے انانی، جذباتی، سماجی، معاشرتی نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے۔

الطاف فاطمہ: اس کا آشوب

الطاف فاطمہ تھنکر زفورم کے ذریعے منعقدہ افریشیائی کانفرنس میں ایک مندوب کی حیثیت سے شریک ہوئی تھیں۔ وہاں وہ ایک فلسطینی نوجوان حسام الخطیب کی بے باک تقریر، مدلل اندازِ بیان اور پُروقار شخصیت سے متاثر ہوتی ہیں وہ حسام الخطیب کا آشوب لے کر فلسطینیوں کا درد اپنے دل میں محسوس کرتی ہیں۔

(A High Impact Factor, Quarterly, Peer Reviewed, Referred & Indexed Journal)

NAVJYOT / Vol. X / Issue – IV ISSN 2277-8063

یادوں کے تانے بانے سے بنا یہ رپورتاژ کانفرنس کے دوسال بعد تحریر کیا گیا جب نیپام کی تباہ کاریوں نے فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی پر کاری ضرب لگائی تھی۔ جسے مصنفہ نے محسوس کیا۔ اپنے داخلی جذبات وتاثرات کی ترجمانی کرتا یہ رپورتاژ فنِ رپورتاژ نگاری میں ایک اہم اضافہ کہا جا سکتا ہے۔

فرحت انور: میرے قہقہوں میں پنہاں

فرحت انور ایک پاکستانی خاتون ہیں یہ سفرنامہ رپورتاژ ہے۔ یہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ مصنفہ اس میں کچھ کارآمد اور حقیقی معلومات فراہم کرنے میں ناکام سی رہی ہیں۔ مصنفہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کراچی سے شمالی پاکستان کے دوردراز علاقوں میں روانہ ہوتی ہیں۔ دورانِ سفر جو جو حالات پیش آتے ہیں جو واقعات پیش آتے ہیں۔ اور جن جن اشخاص سے ملاقات ہوتی ہے ان کا ذکر اس تحریر میں کیا گیا ہے۔

ثروت خان: ہر گام چمن، شہر آرزو

ثروت خان کا رپورتاژ ہر گام چمن، ایک سفرنامہ رپورتاژ ہے۔ پاکستان کے شمالی حصّہ میں واقع نہایت خوبصورت وادی، وادی سوات کا سفرنامہ ہے جسے سیاحوں کی جنت کا نام دیا جاتا ہے۔ ثروت خان کا دوسرا رپورتاژ شہر آرزو بھی سفرنامہ رپورتاژ ہے۔ جس زمانے میں اسلام آباد شہر زیر تعمیر تھا۔ مصنفہ اس علاقہ کی سیاحت کے لیے گئی تھیں اور اپنے سفر کی روداد انھوں نے شہر آرزو کے عنوان سے تحریر کی تھی۔ جو چھ صفحات پر مشتمل ہے۔ رپورتاژ میں کہیں کہیں مکالماتی انداز بیان اختیار کیا ہے۔ اور صیغۂ ماضی کو کم سے کم استعمال کرنے کی سعی کی ہے۔ زبان و بیان کی دلکشی نے اسے دلچسپ تحریر بنا دیا ہے۔

ریاست خانم: کولہاپور میوزک کانفرنس

ریاست خانم نے ۱۹۶۱ء میں مہاراشٹر کے مشہور تاریخی شہر کولہاپور میں منعقدہ ایک میوزک کانفرنس میں اپنے دستوں کے ساتھ شرکت کی جو غالباً موسیقی کے طلبہ و طالبات تھے۔ انھوں نے اس کانفرنس پر ایک رپورتاژ ''کولہاپور میوزک کانفرنس'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔ اس رپورتاژ میں رودادِ سفر اور کانفرنس کی رپورٹنگ کی آمیزش بڑے دلکش انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ مصنفہ کوئی پروفیشنل ادیبہ نہیں لیکن ان کی تحریر میں ادبیت نمایاں ہے۔

ماحصل:

دنیا کے تمام کاروبار کی طرح سماجی زندگی وتہذیب انسانی کی اس تخلیق یا پہلو یعنی ادب کی تخلیق وترویج وترقی میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی شریک ومبہم رہی ہیں۔ اظہار ذات کی خواہش ہر ذی حیات مخلوق کا خاصہ ہے اور انسان بھی اس سے مبرا نہیں ہے۔ جب کوئی انسان اپنی زندگی کی باتیں، حالات، کوائف، واقعات، خیالات دوسروں سے ربط وتسلسل کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے آپ بیتی کہتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنی زندگی کے حالات تحریر کر کے پیش کرتا ہے تو خودنوشت سوانح حیات کی ادبی صنف وجود میں آتی ہے۔ آپ بیتیانہ ادب خودنوشت سوانح حیات، ڈائری، سفرنامہ، رپورتاژ، خطوط اور آپ بیتیانہ ناول کی

صنف پر مشتمل ہے اردو میں رپورتاژ کی صنف ترقی پسند ادبی تحریک کے دور میں آئی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی اور کئی خواتین نے اچھے رپورتاژ لکھ کر اس صنف میں وقیع اضافہ کیا ہے۔ اور اس صنف کو مالا مال کیا ہے۔ اردو میں رپورتاژ نگاری ہنوز جاری ہے اور کئی ادیبوں نے اس صنف میں وقیع اضافہ کیا ہے۔

رپورتاژ کسی جلسہ، تحریک، واقعہ کی رواں بیانیہ روداد ہوتی ہے اس میں مصنف خود شریک رہتا ہے اس کی ذات اس کے تاثرات اس کے اعمال و افعال اس کے مشاہدات، خیالات اور عصری عہد و ماحول کی باتیں اس میں شامل ہوتی ہیں اس لیے اس صنف کی آپ بیتیانہ حیثیت و نوعیت ہے۔ الغرض اردو میں خواتین کے رپورتاژ اپنی نوعیت و خصوصیات کے لحاظ سے قابل قدر و اہم سرمایہ ادب ہے۔

کتابیات:

اردو میں رپورتاژ نگاری : عبدالعزیز
اردو نثر کے اسالیب : ڈاکٹر عبدالخالق
اردو میں رپورتاژ نگاری : طلعت گل
رضیہ سجاد ظہیر : امن کا کارواں
ریاست خانم : کولہا پور میوزک کانفرنس
رضیہ سجاد ظہیر : امن کا کارواں
خدیجہ مستور : پوپھٹے
عصمت چغتائی : بمبئی سے بھوپال تک
قرۃ العین حیدر : ستمبر کا چاند
قرۃ العین حیدر : گل گشت
قرۃ العین حیدر : کوہ دماوند
قرۃ العین حیدر : دکن سا نہیں ٹھار
قرۃ العین حید : قید خانے میں تلاطم ہے کہ
سلمیٰ صدیقی : نقاب اور چہرے
ازہرہ جمال : ۵ دسمبر کی رات
صفیہ اختر : ایک ہنگامہ
آمنہ ابوالحسن : دو دن

سلمیٰ عنایت اللہ : ڈوب ڈوب کر ابھری ناؤ

الطاف فاطمہ : اس کا آشوب

فرحت انور : مرے قہقہوں میں پنہاں

ثروت خان : ہرگام چمن

ریاست خانم : کولہاپور میوزک کانفرنس

Dr Farheen Shirin Nasiruddin

Assistant Professor Dept. Of Urdu

Late Panchfulabai Pawade Arts & Commerce

Mahila Mahavidyalaya, Warud, Dist. Amravati.